نیویارک سے مکّہ تک

سید حبیب الحق ندوی

اس وقت ہم مادی دنیا کے مرکز "نیویارک" سے روحانی دنیا کے مرکز "مکہ" کا سفر کر رہے ہیں، آج پانچ ۱۹۶۷ء کی بارہ تاریخ ہے۔ موسم نشاط انگیز ہے، کہر، بادل اور بارش کی بجائے خوشگوار دھوپ زندگی کو متحرک اور فعال بنائے ہوئے ہے۔ ہم شہر کی پُر پیچ راہوں سے گذر کر نیویارک کے جان ایف کینیڈی ایرپورٹ پر پہنچ چکے ہیں۔ یہ نیویارک کا سب سے بڑا بین الاقوامی ایرپورٹ ہے، مسافروں کی ہماہمی اور ریل پیل جاری ہے۔ شام کے ۷ بج چکے ہیں۔ تیس آدمیوں پر مشتمل حجاج کا یہ قافلہ جس میں پچیس طالب علم ہیں آپ کے سامنے ہے۔ یہ لوگ ولایاتِ متحدہ کے مختلف شہروں سے آکر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ ان میں کناڈا کے طلباء بھی ہیں جو حرمین شریفین کی زیارت کا شوق سینوں میں چھپائے یہاں پہنچے ہیں۔ اس قافلہ میں کالے بھی ہیں اور گورے بھی۔ اور پیدائشی مسلمان بھی ہیں اور نومسلم بھی۔ فرداً فرداً سب کا تعارف مشکل ہے، آئیے آپ کا تعارف وارث محمد سے کراؤں، یہ علی جاہ محمد زعیم بلیک مسلم تحریک کے دوسرے صاحبزادے ہیں، جو باپ کی جماعت سے بغاوت کر کے صحیح العقیدہ مسلمانوں میں شامل ہو گئے ہیں اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کے مستقبل کا چراغ ہیں۔ باپ نے عاق کر دیا ہے مگر دولت ایمان ان کے سکون کے لئے کافی ہے۔ میانہ قد ہے، رنگ صاف ہے، ہندوستانی یا پاکستانی مسلمانوں اگر یہ کھڑے ہو جائیں تو امتیاز مشکل ہوگا۔

امریکی تاریخ میں غالباً پہلی بار حج کا موسم آیا ہے جس میں تیس آدمیوں کا قافلہ لبیک لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک کہتا ہوا والہانہ وارفتگی کے ساتھ وادی بطحا کی طرف گامزن ہے۔ یہ صورتِ حال قرآن کریم کی آیت "یاتوک من کلِ فجٍ عمیق" کی عملی تفسیر ہے۔ زائرین حرم آپ کے سامنے صف باندھے کھڑے ہیں۔ سامان افسران کے حوالہ کر کے اپنے ٹکٹ حاصل کر رہے ہیں۔

لیجئے ساڑھے آٹھ بج گئے، طیارہ کی نبض تیز ہو چلی ہے۔ اس کے دل کی دھڑکنیں آپ ایرپورٹ کے

پلیٹ فارم سے سن سکتے ہیں۔ افسران طیارہ تعجب اور احترام کی نظروں سے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ تعجب تو اس لئے کہ اس مادّی دنیا میں تعیش سیر و سیاحت، تفریح اور تفنن کے لئے اتنی بڑی رقم کا خرچ تو عقل میں آنے والی بات ہے لیکن ایک مذہبی فریضہ کی ادائیگی پر یہ صرف کثیر عقل سے بعید بات ہے۔ احترام شاید اس لئے کہ روحانیت میں اب بھی اتنی قوت موجود ہے کہ مادّی سرو سامان اور دولت کے نشے میں بدمست انسان بھی کچھ دیر کے لئے چونک جاتا ہے اور اسے عاقبت کی فکر غیر شعوری طور پر کچھ دیر کے لئے ہی سہی، لاحق ہو جاتی ہے

اب ہم طیارہ کے اندر ہیں۔ اتفاق دیکھئے کہ ہماری اس جماعت کو ایک ساتھ وسط میں نشستیں ملی ہیں آپ مسافروں کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک حصہ آگے ہے، ایک حصہ پیچھے اور وسط میں حاملین قرآن کی یہ جماعت ہے. شاید اس لئے کہ اس کا تعلق امت وسط سے ہے جو دونوں انتہاؤں میں اعتدال قائم کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے. فرنگی مسافروں کی آنکھیں غیر معمولی طور پر پھٹی ہوئی ہیں وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھ رہے ہیں. انہوں نے ایسی جماعت شاید پہلی بار دیکھی ہے۔ جو ایک ناقابلِ شکست عزم کی مالک ہے۔ اور یک گونہ وقار و اعتماد کے ساتھ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ کی صدا بلند کر رہی ہے، تلبیہ کی گنگناہٹ سے ان کے کان کھڑے ہو گئے ہیں اور کوشش کے باوجود وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ کس منزل کے راہی ہیں.

طیارہ اب مائل پرواز ہے۔ رن وے پر اس کی حرکت کے ساتھ ہی لبیک لبیک کی آوازیں تیز ہو گئیں! ایک جست میں طیارہ خطوطِ طیران چھوڑ کر نیویارک شہر کے اوپر پہنچ چکا ہے رو زن طیارہ سے نیچے دیکھیئے نیویارک شہر رنگین قمقموں کے خطوط میں بدل گیا ہے۔ اب یہ خطوط بھی بحر اوقیانوس میں ڈوبتے جا رہے ہیں۔ اب آپ سطح زمین سے چھتیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہیں، نیچے بحرِ اوقیانوس ہے، اوپر نیلگوں آسمان، بادل ادب سے سر جھکائے قافلہ حجاز کے قدموں کے نیچے دیدہ و دل فرش راہ کرتے جا رہے ہیں، فرنگی اپنی تخلیق پر نازاں و فرحاں ہیں، قافلہ حجاز فبای الاءِ ربکما تکذبان کا ورد کر رہا ہے۔ طیارہ جانب لندن پرواز کر رہا ہے. نیویارک سے لندن کئی گھنٹوں کی مسافت ہے۔ وقت کاٹنے کے لئے طیارہ کے اندر ٹیلی ویژن کے درجنوں سیٹ لگے ہوئے ہیں. کھانے کے بعد اعلان ہو چکا ہے کہ دو فلمیں دکھائی جائیں گی تاکہ لندن میں اترتے وقت ایسا محسوس ہو کہ ابھی آپ سینما دیکھ کر گھر واپس لوٹے ہیں. اُدھر فلم شروع ہوئی۔ ادھر برادرانِ اسلام نے ٹیپ ریکارڈر پر تلاوتِ قرآن سننے کا پروگرام شروع کیا۔

رات کی نبض بحرِ اوقیانوس کی گہرائیوں میں ڈوبتی جا رہی ہے۔ سپیدۂ صبح نمودار ہو رہا ہے۔ صبح کی اذان دی گئی۔ امیرِ کارواں نے امامت کی اور تمام مقتدی اپنی اپنی نشستوں پر بلیٹ باندھے اشاروں سے نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ اس منظر نے ہمسفر فرنگیوں کے لئے معمّہ کو حل کرنے کی بجائے مزید الجھا دیا۔

یہ لندن ہے، کہر آلود اور سرد —— مگر نیویارک کے مقابلے میں کم مایہ اور غریب اب لندن سے ہم بیروت کی طرف رواں ہیں، طیارہ سے پانچ گھنٹوں کی مسافت ہے۔ یہ بیروت ہے پہاڑیوں پر آباد شہر، —— بیروت سے ہم جدہ جا رہے ہیں، طیارہ سے اڑھائی گھنٹہ کی راہ ہے۔ رات کے نو بج چکے ہیں۔ شہرِ جدہ حجاج کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ طیارہ کے دریچوں سے نیچے دیکھئے سارا شہر حجاج کی آمد پر جگمگا اٹھا ہے اور صدائے ابراہیمی پر لبیک کہنے والوں کے لئے اپنا دامن وا کئے ہوئے ہے۔

یہ جدّہ ایئرپورٹ ہے۔ ہر پانچ منٹ پر دنیا کے مختلف علاقوں سے طیارے عشاقِ حرم کو لیکر یہاں پہنچ رہے ہیں، کسٹم سے فراغت کے بعد ہم اپنی قیام گاہوں پر پہنچ گئے۔ آج ذی الحجہ کی ۴ تاریخ ہے۔ کل آپ ہمارے ساتھ مکہ چلیں گے —— وہی مکہ جس کی تاریخ اپنے دامن میں کفارِ قریش کی داستانیں چھپائے ہوئے ہے۔ تاریخ کے اوراق ایک ایک کر کے نظروں کے سامنے الٹ رہے ہیں۔

آج پانچ ذی الحجہ ہے، ذرا نظر اٹھائیے اس امریکی قافلہ کو دیکھئے، آپ اب کسی کو نہیں پہچان سکتے۔ رنگ برنگی لباس اتر چکا ہے۔ سب یک رنگ ہو چکے ہیں اب آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ ان میں غریب کون ہے اور امیر کون ہے؟ اس سفید کفن آسا لباس نے امارت و غربت، نسل و رنگ اور اونچ نیچ کے تمام امتیازات کو یک لخت مٹا دیا ہے۔ یہی نہیں یہ قافلہ اب قافلۂ امن ہے، امن و سلام اور صلح و خیر کی مجسّم تصویر ہے اب مچھر، پسّو اور چیونٹی تک کی جان لینا حرام ہے۔ سبھوں کی نگاہیں جھکی ہوئی ہیں۔ گفتار و رفتار نشست و برخاست میں سب پیکرِ امن و محبت ہیں، دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی ہیں۔

چہروں کا رنگ بدلتا جا رہا ہے۔ آوازیں معمول سے بھاری ہوتی جا رہی ہیں کیوں؟ اس لئے کہ یہ قافلہ اب سوئے حرم چل رہا ہے۔ اللہ کے گھر جا رہا ہے۔ کسی کے گھر انسان درو دیوار سے ملنے نہیں جاتا، بلکہ صاحبِ خانہ سے ملنے جاتا ہے۔ اس احساس نے نفسیاتی کیفیت ہی کو

بدل کر رکھ دیا ہے : لبیک لبیک اللھم لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک کا ورد عام ہے۔ نمناک آنکھیں، سیل اشک کی تمہید ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ حدود حرم میں داخل ہو رہے ہیں یعنی جدہ سے مکہ کی طرف چل رہے ہیں اس وقت قافلہ والوں کی عجیب حالت ہے۔ نہ صرف اشکبار آنکھیں ماحول میں فرق پیدا کر رہی ہیں بلکہ بعضوں کی ہچکیاں بندھ گئی ہیں بعض نڈھال ہو رہے ہیں بعض باواز بلند رو رہے ہیں اور کئی قافلہ میں سب کی زبانوں پر یہی ورد ہے کہ ہم گھر پہنچ کر خدا کے حضور میں اپنے آلام کا ذکر کریں گے۔

I am Going to tell God, all of my troubles when I get home.!

آپ بیت اللہ کے قریب ہیں، اب حدود حرم میں داخل ہونے والے ہیں، باب السلام سامنے ہے، ادب واحترام کے ساتھ قدم بڑھائیے۔ ہر فرد کا قدم لڑکھڑا رہا ہے۔ ایک چھوٹی سی مربع عمارت ہے۔ اول البیت وضع للناس لیکن اس کے رعب وجلال کا عالم دیکھیے۔ سلاطین وگدا اس کے سامنے سر نیاز خم کئے ہوئے ہیں۔ انسانوں کا ایک سیلاب ہے۔ اس سیلاب میں آپ ہمارے ساتھ طواف میں مصروف ہیں۔ غیر منظم مجمع اس طرح دھکے دے رہا ہے کہ سخت تکدر وتنفر پیدا ہو سکتا ہے، لیکن تنفر کی بات نہیں۔ یہ مجمع اس وقت فرط شوق میں بے خود ہو رہا ہے، اپنے اور اپنے خالق کے درمیان کسی رکاوٹ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

دوسروں کے تاثرات کیا ہیں، میں نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے تاثرات تو عجیب ہیں۔ ممکن ہے اوروں کو طواف کعبہ کے وقت الوہیت کا جلال نظر آ رہا ہو۔ ہمیں تو اس وقت عبدیت کا جمال نظر آ رہا ہے۔ اشک ہائے بندگی کا ایک سیلاب ہے۔ جس میں لبوں سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر بہہ رہے ہیں۔ دیکھیے کپکپاتے ہوئے سائل ہونٹ عرش الہی کو ہلا رہے ہیں۔ آسمان جھک جھک کر زمین کو چوم رہا ہے۔ کہیں شوخی واقدام ہے کہیں خود سپردگی وخود فراموشی لیکن مجادلہ محبت ہے کہیں اعتراف بندگی۔ کہیں یہ شوخ مطالبہ ہے۔

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر — ہوش وخرد شکار کر قلب ونظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں — یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر

اور کہیں قدر ظرف کی تنگی کا اعتراف ہے۔

؎ میرا ظرف دیکھ کر بجلیاں گرانا مجھے تاب ہو جہاں تک وہیں تک نقاب اٹھانا

خانۂ خدا کے ارد گرد اقطار عالم کے بندگانِ الٰہی، کالے، گورے جوان اور بوڑھے، عورت اور مرد مختلف زبانوں میں اور نت کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے مصروفِ دعا ہیں، ان سب کی زبان پر ایک ہی التجا ہے، الٰہی ہمیں دین و دنیا کی بھلائی سے بہرہ ور کر۔ یہ منظر دیکھتے دیکھتے ہم خیالات کی دنیا میں کھو گئے۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ حدودِ حرم میں آج تک کسی کو کھوتے نہیں دیکھا لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہم کھو گئے۔ اس وقت ہم علم الٰہیات (Metaphysics) کی بھول بھلیوں میں گم ہیں۔ جہاں تلاش خدا کی پر پیچ راہوں میں ہزاروں فلاسفہ صدیوں بھٹکتے رہے، سر پیٹتے رہے اور ہاتھ پیر مارتے رہے لیکن اکثر انہیں کوئی کنارہ نہ مل سکا۔ اس وقت ہم سقراط سے ماقبل دور کے فلاسفہ کے ساتھ ہیں، یہ پیتھاگورس (Pythagoras) ہیں۔ یہ ہیراکلیٹس (Heraclitus) ہیں۔ سامنے پرمنائڈس (Parmenides) ہیں۔ ساتھ ہی امپیڈوکلیس (Empedocles) اور پروٹاگوراس (Protagoras) کھڑے ہیں۔ ان سب کو خدا کی تلاش ہے۔ یہ سب اپنی اپنی دانست کے مطابق خدا کی ذات و صفات کو متعین کر رہے ہیں، چلیے آگے بڑھیں، سامنے سقراط ہیں، افلاطون ہیں، ارسطو ہیں، یہ سب خدا کی جستجو میں سرگرداں ہیں لیکن ان کے فکر کی بنیادیں بھی ظن و تخمین .... (Speculative Philosophy) پر قائم ہیں اس لئے بے چارے کوشش کے باوجود اسرار کائنات کی نقاب کشائی نہ کر سکے۔ آگے بڑھیے! Hellenistic فلسفہ کا عالم جمالیات اور اس کی رعنائیاں دیکھئے۔ ایپی کورین (Epicureans) کی دنیا سے ہوتے ہوئے ہم Stoicism کی دنیا میں پہنچ گئے جہاں خدا کی اہمیت پر زیادہ زور ہے۔ پلوٹائنس (Plotinus) سے ہو کر ہم عیسائیت کے فلسفہ تثلیث تک پہنچ گئے۔ سینٹ اگسٹائن (Saint Augustine) تک پہنچ کر ہم نے چھ صدیوں کا سفر طے کر لیا۔ اب ہم papacy کے تاریک دور (Dark Ages) سے گزر رہے ہیں اس اندھیرے میں گیارہ صدیاں گزر گئیں، ۱۲ ویں صدی سے چھلانگ لگا کر ہم تیرھویں صدی میں آ گئے۔ Saint Thomas Aquinas وغیرہ سے ملتے ہوئے آگے بڑھے، نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی رنگینیاں دیکھیے۔ سامنے ہیوم (Hume) کھڑے ہیں، اب تحریک اصلاحات (Reformations) کی صدائیں گونجنے لگیں، سائنس کا دور

شروع ہوگیا بیکن (Bacon) اور ہوبس (Hobbes) اپنا منشور لئے کھڑے ہیں، جدید فلسفہ کا جد امجد ڈسکارٹ (Descartes) خود اپنی ذات کے لئے ایک سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ اسپنوزا (Spinoza) کے بعد لیبنز (Leibniz) سے ملاقات ہوگئی۔ آگے بڑھے تو لبرلزم (Libralism) کا دور شروع ہوگیا۔ لوک (Locke) اپنا نظریہ علم وسیاست پیش کرنے لگے۔ اور آگے بڑھے تو برکلے (Berkeley) اور ہیوم (Hume) نے خوش آمدید کہا۔ کچھ آگے رومانی تحریک (Romantic Movement) کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اس کے بعد روسو (Rousseau) کا سامنا ہوگیا۔ پھر کانت (Kant) نے اپنا فلسفہ پیش کر دیا۔ اس طرح ۱۸ ویں صدی تک کا سفر طے ہوگیا۔ انیسویں صدی میں ہیگل کا سامنا ہوا۔ بائیرن (Byron) اور شوپنہار (Schopenhauer) سے مل کر آگے نہ بڑھے تھے۔ کہ نیٹشے (Nietzsche) اپنا نسخہ انسان کامل (Superman) لیکر سامنے آگئے۔ اس طویل فکری جمنازیم سے نکلتے ہی اشتراکیت کا سامنا کرنا پڑا۔ کارل مارکس اپنا فلسفہ پیش کرنے لگے راستہ میں برگساں (Bergson) مل گئے۔ بیسویں صدی میں وجودی فلسفہ نے ہمارا راستہ گھیر لیا۔ اکتا کر ہم پھر امریکہ پہنچ گئے جہاں خدائے مرحوم (God is dead) کا فلسفہ مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ اور خدا سے دامن چھڑا کر انسان چین کا سانس لینا چاہتا ہے۔ تین ہزار سالوں کا سفر صحرائے فکر کی دشت نوردی پھر بھی جس کی تلاش تھی وہ نہ ملا۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے — تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

اس کے بعد چونکے اور آنکھ کھلی تو دیکھا خانہ کعبہ سامنے ہے۔ "ہمیں بھی دیکھو مولا۔ ہمیں نہ بھولیو مالک، ہمیں حسنہ فی الدنیا اور حسنہ فی الآخرۃ دونوں سے نوازیو" کا ورد حسب معمول وہی لینے دینے کی باتیں ہو رہی تھیں، وہی شوخی و اقدام ہے، وہی خود فراموشی و خودسپردگی، وہی ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ کی التجا جاری ہے۔

وہ دیکھیئے خدا مردہ نہیں، وہ تو زندہ ہے، ورنہ لین دین کی باتیں کس سے ہو رہی ہیں؟ ہم نے ایک آواز لگائی، اے ماضی وحال کے فلسفۂ فرنگ! کاش تمہاری ارواح تشنہ کو یہ منظر دیکھنا نصیب ہوتا اور کبھی خانہ خدا میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی۔ پھر تمہارے علم الٰہیات کی بنیادیں مختلف ہوتیں۔ ظن وتخمین کی بجائے ایمان وایقان کی دولت تمہیں نصیب ہوتی۔ خدا

فلسفہ کی خشک کتابوں میں نہیں ملتا۔ اس کے وجود وصفات کی تعیین منطقی تحلیلات کے ذریعہ نہیں ہوتی۔ وہ تو خانہ کعبہ میں ملتا ہے، زمان ومکان کی قیود سے بالاتر ہو کر بھی اپنے گھر میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ چون وچرا کرنے والوں کو نہیں ملتا۔ وہ تو سادہ لوح قلوب میں جو "یومنون بالغیب" کے قائل ہیں، جاگزیں ہوتا ہے
اے فلاسفہ، غرب وشرق! خدا مابعد الطبیعاتی علوم (Metaphyscies) یا فلسفہ جزو کل..... (ontology) کی حدود سے باہر ہے۔ تمہارا محدود علم غیر محدود کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ وہ تمہیں ایمان بالغیب کے بغیر نہیں مل سکتا۔

اس گمشدگی اور بازیابی کے بعد ہم پھر حسب معمول طواف کر رہے ہیں، طواف سے فراغت کے بعد آب زمزم سے تشنگی بجھا رہے ہیں۔ سعی صفا ومروہ کے بعد رات کے گیارہ بج گئے۔ رات گزر گئی اور آج ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ ہے۔ جمعہ کا دن ہے۔ نماز کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جماعت سے گھنٹوں قبل عاشقانِ حرم صفوں میں پہنچ گئے۔ تاکہ جماعت مل سکے۔ تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ حدِ نظر تک آدمی ہی آدمی ہیں، نماز ختم ہو چکی پھر طواف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ ۲۴ گھنٹے اسی طرح جاری ہے۔ جس طرح گھڑی کے ڈائل پر سیکنڈ کی سوئی متحرک رہتی ہے۔

نماز جمعہ کے بعد ہم تاریخی مقامات کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ دیکھیئے حرم سے دس منٹ کی راہ ہوگی یہ چھوٹی سی پیلی عمارت ہے جسے وزارت اوقاف نے لائبریری میں تبدیل کر دیا ہے، آپ ہمارے ساتھ اس وقت اس کمرہ میں ہیں جو خوشبو سے معطر ہے۔ زائرین کا تانتا بندھا ہے۔ دبیز قالین کمرے میں بچھا ہوا ہے۔ کچھ لوگ خاموش، ادب کے ساتھ قالین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کچھ دعائیں مانگ رہے ہیں۔ کچھ درود وسلام پڑھ رہے ہیں۔۔۔۔ جی یہ وہی کمرہ ہے جس میں پیغمبر اسلام کی پیدائش ہوئی تھی۔۔۔۔۔ آپ ایک مسلمان کے قلب وجگر کی کیفیات کا اندازہ لگائیں.....

اب ہم دوسرے تاریخی مقام کی طرف جا رہے ہیں۔ ٹیکسی والے سید ھے منہ بات نہیں کرتے ہم نے ایک گدھا گاڑی کر لی ہمارا قافلہ اب آپ کے سامنے گدھا گاڑی پر سوار ہے، ان میں سے شاید ہی کوئی گدھا گاڑی پر بیٹھا ہو....... کہاں ہوائی جہاز اور کاروں کا سفر کہاں دھوپ میں بے چھت کی گاڑی کی سواری۔ غرض اب آپ ان راہوں سے گزر رہے ہیں جہاں تیرہ سو سال قبل کفار قریش اور اکابرین مکہ کی رہائش گاہ تھی عصر کا وقت ہو چکا ہے۔ ہم پہاڑی کے قریب پہنچ گئے ہیں اور پرپیچ عمودی وغیر عمودی چڑھائی کے لئے کمربستہ ہیں۔

ہمارے سانس اکھڑ رہے ہیں لیکن نومسلم امریکی جوانوں کی ہمت قابلِ دید ہے۔ ان کا ولولہ اور جوش ایمانی خاندانی مسلمانوں سے بے حد مختلف ہے، یہ تاریخی حقیقت بھی ہے، ابتدا میں بھی نومسلموں کے ہاتھوں یہ دعوت آگے بڑھی تھی۔ جب تک عربوں میں یہ حوصلہ رہا۔ اللہ نے انہیں آگے بڑھایا۔ ان کا حوصلہ ختم ہوا تو دوسری قوموں کو کھڑا کر دیا۔ پہلے ایرانیوں، سلاجقہ، عثمانی ترکوں اور افغانوں کو اللہ نے کھڑا کیا۔ جب ان کے ایمان پر غنودگی طاری ہوگئی تو اللہ کے لئے مشکل نہیں کہ وہ ایک نئی قوم کو کھڑا کر دے، قرینہ غالب ہے کہ نومسلم امریکی آبادی کے ہاتھوں آج نہیں تو کل یہ دعوت پھیلے گی۔ اس وقت جو لوگ اس دعوت سے متاثر ہو چکے ہیں وہ راسخ العقیدہ اور تحریک کے شیدائی بھی۔

آپ ہمارے ساتھ اس پہاڑ کی چوٹی پر ہیں جہاں سے انسانیت کو درسِ توحید ملا تھا۔ دو رکعت نفل نماز پڑھ لیں۔ پھر ہم اس غار میں داخل ہونگے۔ جس کا نام غارِ حرا ہے۔ یہ وہی غار ہے جہاں حضرت محمدؐ کفر زارِ مکہ کے مشرکانہ ماحول سے پناہ لیا کرتے تھے۔ توحید کے مسئلے پر سوچتے تھے۔ آخر اللہ نے اقرا باسم ربک الذی خلق سے تحریک توحید کی ابتدا کر دی۔ یہیں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت لیکر مکہ کی وادی میں اترے تھے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

آج ذی الحجہ کی سات تاریخ ہے، ہزاروں فٹ کی بلندی پر ٹیکسی چڑھ رہی ہے نشاۃ انگیز ہوا چل رہی ہے خنکی بڑھتی جا رہی ہے سبزہ پہلی دفعہ نظر آیا۔ پہاڑی پر کھیتی کے مناظر دلکش ہیں، اب ہم چوٹی پر پہنچ گئے ہیں، یہ وہی بازار ہے جس میں رسول اللہ پر پتھر برسائے گئے تھے۔ رسول اللہ کا جسم لہولہان تھا۔ پھر بھی آپ دست بدعا تھے۔ "بارالہا انہیں ہدایت دے یہ نہیں سمجھتے۔" یہ طائف ہے...... طائف کا معروف بازار......

نہ جانے کیوں یہاں کے لوگوں کی صورتیں دیکھ کر ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ پر پتھر پھینکے تھے۔ ہم یہاں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ پورے سفر میں کوئی مقام ایسا نہیں آیا جہاں اس قدر مکدر ہوا ہو۔

مکہ واپس آکر طبیعت بحال ہوئی۔ حرم کی چہل پہل اور رونق نے افسردہ دلی دور کر دی۔ رات کشمکش میں گزر گئی۔ آج آٹھ ذی الحجہ کی صبح ہے منیٰ جانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ یہ منیٰ ہے پہاڑیوں کی قدرتی چہار دیواریاں کھچی ہوئی ہیں۔ لاکھوں خیمے پڑے ہیں۔ اسی احاطہ میں جرمنی، انگلینڈ سوڈان، مصر، شام اور دیگر بلادِ اسلامیہ کے برادران اسلام کا پڑاؤ ہے۔ ایک خیمہ مسجد کے لئے

مخصوص ہے، باجماعت نمازوں کے بعد تقاریر ہو رہی ہیں۔ مختلف ممالک میں دعوتِ اسلام کے کام کی روداد سنانے کا سلسلہ جاری ہے۔ دعوتِ حق کی راہ میں مشکلات او صعوبتوں کا ذکر ہے۔ ان کامیابیوں کا بھی تذکرہ ہو رہا ہے۔ جو اللہ نے مخلصین کو مختلف علاقوں میں عطا کی ہیں۔

یہ پوری بستی کفن آسا سفید لباس میں ملبوس ہے۔ امرکی قافلہ بالخصوص نومسلین یک رنگی اور اخوت و مساوات کا یہ منظر دیکھ کر بے حد متاثر ہیں بلکہ اپنے مغربی اجداد کی روایات پر خندہ زن بھی ہیں، انہیں یقین آگیا ہے کہ یہ یک رنگی، مساوات محض توحید کی برکت ہے۔ وحدت فکر اور وحدت نظر کا کرشمہ ہے۔ وہ اس فکر میں غلطاں ہیں۔ کہ ایسی وحدت ان کے اجداد کو کیوں نصیب نہیں ہو سکی؟ یہ سوچتے سوچتے امرکی قافلہ ایک بار پھر کھو گیا۔ اپنے اجداد کے فکری سرمایہ کی تحلیل شروع کر دی اور اپنے اجداد کے مندرجہ ذیل سوالات پر غور کرنے لگا۔

(۱) اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا عرفان کیسے ممکن ہے؟

(۲) کیا دنیا mind اور matter دو الگ الگ حقیقتوں میں منقسم ہے، اگر ایسا ہے، تو دونوں کی تعریف کس طرح ممکن ہے۔ آیا وہ ایک دوسرے کے تابع ہیں۔ یا دونوں کا وجود الگ الگ ہے؟

(۳) نظام عالم میں کوئی وحدت ہے یا نہیں؟ تخلیق عالم کا کوئی مقصد بھی ہے؟

(۴) کائنات کسی خاص منزل کی طرف بڑھ رہی ہے یا جامد ہے؟

ان سوالات پر سوچنے میں ۴ صدی قبل مسیح سر کھپایا جا رہا ہے۔ پھر بھی کوئی حل نہ مل سکا۔ اس کا حل جدید سائنس کے پاس بھی نہیں۔ آج سائنس اور مذہب کے درمیان ایک سرحدی نشان ضرور کھینچ دیا گیا ہے اور ان دونوں کے بیچ میں جو زمین (No mans land) ہے وہ ان سوالات کے حل کے لئے چھوڑ دی گئی ہے۔ جہاں فلسفی آج بھی سر پیٹ رہے ہیں اور علماء مابعد الطبیعات کے ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔

ارسطو کے دور تک فلسفہ پر توہمات (Speculation) کا سایہ رہا، انسانوں کی اطاعت کا صحیح مستحق کون ہے؟ اس دور کا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ طے پایا کہ ریاست (State) انسانوں کی اطاعت کی حقدار ہے۔ چنانچہ شہر (city) اور ریاست (State) کی پوجا شروع ہو گئی۔ اس تحریک کے خلاف

بغاوت شروع ہوئی۔ Stoic فلاسفہ نے اعلان کیا کہ روح کا رشتہ خدا (خالق روح) سے ہونا چاہیئے نہ کہ ریاست سے۔ "....... a man's duty to God is more imperative than his duty to the State ...."

پانچ صدی عیسوی سے ۱۱ صدی عیسوی تک مغرب میں تاریکی کا دور رہا۔ اسٹیٹ اور چرچ کی جنگ چلتی رہی۔ پوپ نے اٹلی فرانس، اسپین، برطانیہ، آئرلینڈ، جرمنی، اسکنڈی نیویا اور پولینڈ میں اپنی حکومت و سربراہی کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے بعد پوپ کی طاقت کچھ کم ہونے لگی۔ جب برطانیہ کے بادشاہ نے اس کی طاقت کو کمزور کر دیا۔ تاہم چرچ شکست نہ کھا سکا۔ شاہ اپنی فوجی قوت کے باوجود اسے دبا نہ سکا۔ فوج اگر شاہ کے ہاتھ میں بھی تو نظام تعلیم چرچ کے ہاتھوں میں تھا جس کی سوتیں عوامی فکر کی گہرائیوں میں اتری ہوئی تھیں، چرچ کے ساتھ وفاداری اس نظام تعلیم کی بنا پر قائم رہی، ہنوز یہ فیصلہ چرچ کے ہاتھوں میں تھا کہ موت کے بعد بادشاہ جنت کا مستحق ہوگا یا جہنم کا۔

عہد وسطیٰ (Middle Ages) میں فریڈرک ثانی نے چرچ اور پوپ کے خلاف نئے مذہب اور کلچر کی داغ بیل ڈالی۔ لیکن تھومس اکنس (Thomas Aquinas) چرچ کا علمبردار رہا۔ دونوں انتہاپسندی کی دو حدوں پر تھے۔ توازن اور اعتدال قائم کرنے کی آرزو لیکر کوئی پچاس سال بعد دانتے (Dante) کا ظہور ہوا۔ لیکن ادھر دانتے کی آنکھ بند ہوئی ادھر توازن کی کشتی غرق آب ہوگئی۔ تحریک اصلاحات نے عیسائی دنیا کی کمر توڑ دی۔ پوپ کے حسین خوابوں کی عمارتیں منہدم ہوگئیں۔ نشاۃ ثانیہ کے دور میں جب علوم قدیمہ و جدیدہ کے احیاء اور تجدید کا زور ہوا تو اسرار کائنات کی سراغ رسانی کا جذبہ بڑھا کوپرنیکس (Copernicus) نے اپنا علم نجوم پیش کیا۔ مسائل کی تفسیر میں اب منطقی استدلال، تحلیل اور تنظیم پر زور دیا گیا۔

پندرھویں صدی میں پوپ اور بادشاہ دونوں اپنا اثر کھو بیٹھے پوپ حکمرانوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گئے۔ اٹلی سیاسی بحران کا شکار ہوگیا۔ اسی زمانے میں میکیاویلی (Machiavelli) کا ظہور ہوا جس نے اپنی معروف کتاب "پرنس" میں حصول اقتدار کا نیا نسخہ پیش کیا۔ اس نے حکمرانوں کو تمام روایتی و اخلاقی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا۔ اخلاقیات اب توہمات قرار پائے۔ حصول اقتدار اور اس کا کسی طرح برقرار رکھنا سب سے بڑی اخلاقی قدر قرار پایا۔ اس فلسفہ نے روحانی و اخلاقی اقدار کا تصوّر ہی مٹا دیا۔

رومۃ الکبریٰ کا زوال ہوگیا۔ اور روم اب دوسری اقوام کا محکوم بن گیا۔ نہ شہنشاہ رہے نہ چرچ'

نہ خدا ہی ملا ' نہ وصالِ صنم

۱۶ ویں صدی سے مغربی افکار میں تجدید و اصلاح کی تحریک چلی جو درحقیقت روم کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ عوام و حکمران دونوں مذہب سے باغی تھے۔ اور تجدید اور تبدیلی کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پورا شمالی یورپ مارٹن لیوتھر کا گرویدہ ہوگیا۔ ساتھ ہی عیسائی مذہب کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔ اول الذکر کے عقیدہ کے مطابق وحی کا دروازہ بائیبل کے بعد بند نہیں ہوا ہے۔ بلکہ ہر زمانہ میں چرچ کے ذریعہ آسمانی وحی آتی رہے گی۔ لہٰذا چرچ انسانوں کی اطاعت کا حق دار ہے۔ اس کے برخلاف پروٹسٹنٹ نے نیا عقیدہ اختیار کیا۔ جس کے مطابق آسمانی وحی سے چرچ کا کوئی تعلق نہیں۔ حق بائیبل میں موجود ہے۔ ہر شخص چرچ کی مدد کے بغیر حقائق کی جستجو اور سراغ رسانی کر سکتا ہے۔

جدید فلسفہ کا بانی ڈسکارٹس ہر شے کو شک کی نظر سے دیکھنے لگا' اس کی اپنی شخصیت تمام توجہات کا مرکز بن گئی۔ اپنی شخصیت اور وجود کے یقین کے بعد ہی وہ دیگر ذوات کے وجود پر یقین کا قائل تھا۔ اس طرح اس نے برکلے' کانت اور Fichte کی راہ ہموار کر دی۔ جن کے خیال میں ہر شے کے ظہور کا مصدر اصلی (صوفی) ہے۔

۱۸ ویں صدی میں شخصیت پرستی Hero Worship کا زور بڑھا۔ کارلائل اور نیٹشے نے اپنے اپنے نظریات شخصیت پرستی اور انسان کامل کا نسخہ پیش کیا۔ بلڈن نے اپنا نظریہ Cult of violent heroism) پیش کیا۔ اس ذات پرستی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹ ویں صدی میں رومانی تحریک یا انسانیت کا زور ہوا۔ اس سیلاب میں ادب، آرٹ کلچر، سیاست سب بہہ گئے' اب انسان آرٹسٹ کے تخیل کا حسین خواب بن گیا۔ انفعالیت کے اس تقشف کے خلاف پھر تحریک چلی اور لبرلزم کا زور ہوا۔ لاک (Locke) اس کے قائد بن گئے۔ وہ انفرادیت پرستی، شخصیت پرستی، روایات پرستی سب کے خلاف تھے۔ حکومت کی مطلق العنانی کے بھی خلاف تھے۔ اس تحریک نے شخصیت پرستی کا خاتمہ کرنا چاہا اور ردِ عمل کے طور پر ریاست پرستی کی تحریک پھر زندہ ہوگئی۔ ہیگل۔ روسو اور ہوبس (Hobbes) اسی نظریہ ریاست پرستی کے مختلف پہلوؤں کے ترجمان ہیں۔ ان کے خیال میں اطاعت و فرمانبرداری کی حقیقی مستحق اسٹیٹ ہے۔

اشتراکیت براہ راست اس فلسفہ کا بچہ نہیں، لیکن اس کے قریب ضرور ہے۔ کیونکہ کمیونٹی Community اور ریاست نے خدا کی جگہ لے لی ہے۔

غرض ۲۴ سو سال کا سفر طے ہو گیا لیکن انسانیت ایک دم آگے نہ بڑھ سکی۔ قدیم یونانیوں کے ہاں شہر (City) اور ریاست (State) واجب الاطاعت تھے۔ آج بیسویں صدی میں ہزاروں نشیب و فراز سے گزر کر دنیا وہیں پہنچ گئی ہے۔ وہی ریاست پرستی و قوم پرستی جزوِ ایمان بن گئی ہے۔

فکر کی وادی میں کچھ دیر بھٹکنے کے بعد ہم واپس منیٰ پہنچ گئے۔ اس تاثر کے ساتھ کہ جو معاشرہ وحی کی ہدایت سے محروم ہوگا۔ وہ اسی طرح پراگندگی اور وحدت فکر و عمل سے محروم ہوگا۔ وحدت صرف وحی کے ذریعہ ممکن ہے جو اختلافات میں بھی یک جہتی و یگانگت پیدا کر سکتی ہے۔ اسلامی تاریخ حوادث اور تغیرات سے بھری ہوئی ہے۔ امتِ مسلمہ کے زوال و عروج کی داستان کم المناک حسرت انگیز نہیں۔ لیکن تمام بدنصیبیوں کے باوجود لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی قوت تسخیر کسی دور میں کم نہیں ہوئی اسی کلمہ کا اعجاز ہے کہ منیٰ میں ہر سال اپنی نوعیت کا واحد اجتماع عظیم ہوتا ہے۔ فکر و فلسفہ کی اس خشکی کے بعد منہ کا مزا بدلنے کے لئے مختلف علاقوں کے لوگوں سے ملیں۔ ان کے خیموں میں گشت لگائیں۔ نومسلم امریکی بھائی ویسے بھی ہاتھوں ہاتھ لئے جا رہے ہیں۔ مختلف خیموں میں انہیں تقریر کی دعوتیں دی جا رہی ہیں تاکہ یہ اپنے تاثرات کا اظہار کریں۔ حتیٰ کہ اخبارات اور ریڈیو کے لئے بھی ان سے بیانات لئے جا رہے ہیں۔

آج ذی الحجہ کی ۹ تاریخ ہے ہم سب عازم عرفات ہیں، کاریں اور بسیں قطار میں لگی چیونٹیوں کی طرح رینگ رہی ہیں۔ دھوپ تیز ہے اور فضا غبار آلود پھر بھی لوگ بسوں کی چھتوں پر بیٹھے ہیں، مارچ کے مہینے میں دھوپ کی یہ شدت غیر متوقع ہے لیکن مشرق کی بدنظمی قطعاً غیر متوقع نہیں، ٹریفک کی بدنظمی کی وجہ سے گھنٹوں سڑک پر کھڑے ہیں۔

اب ہم سب میدان عرفات میں ہیں۔ روایت ہے کہ عرفات میں سارا وقت کھڑے ہو کر دعاؤں میں گزارنا مسنون ہے۔ اور ہر دعا مقبول ہوتی ہے۔ لوگ خیموں کے اندر اور باہر کھڑے دعاؤں میں مصروف ہیں۔ لیکن جبل الرحمۃ کا منظر عجیب پر کیف، روح پرور اور نشاط انگیز ہے پوری وادی اس وقت انسانوں کا سمندر معلوم ہوتی ہے۔ اور جبل الرحمۃ پر انسانوں کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ تل دھرنے کی

جگہ نہیں۔ آگے قدم بڑھانا مشکل ہے بلکہ سہولت سے سانس لینا دشوار ہے۔ جبل الرحمۃ کے اوپر ایک سفید پتھر نصب ہے۔ جو دور سے نظر آتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر حجۃ الوداع کے موقع پر آخری خطبہ دیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ رسول اللہ کھڑے خطبہ دے رہے ہیں۔ یہ کیفیت احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ ہمارے کان اس آخری خطبہ کے مضامین سن رہے ہیں جو انسانی تاریخ کا ایک عظیم خطبہ ہے۔

عصر کی نماز اور تلاوتِ قرآن کے بعد لوگ کھڑے ہو کر دعائیں مانگ رہے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر لوگ دست بدعا ہیں اپنی کوتاہیوں اور تقصیرات کے اعتراف کے ساتھ توبہ کر رہے ہیں.......

ربنا اتنا فی الدنیا حسنہ و فی الاخرۃ حسنہ کی التجا جاری ہے۔

مغرب کی نماز ہو رہی ہے، نماز کے بعد ہم سب مزدلفہ کی طرف کوچ کر رہے ہیں تاکہ ایک شب وہاں پڑاؤ کریں اور پھر منیٰ واپس ہوں......... یہ مزدلفہ ہے، اوپر آسمان، نیچے ریگستان، نہ خیمہ ہے نہ کوئی اوٹ.......... اوپر اللہ ہے......... نیچے بندگانِ خدا.......... ساری رات لوگوں نے عبادت میں گذاری۔ اب صبح کی نماز پڑھ کر پھر منیٰ کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔

——— یہ منیٰ ہے وہی ہماہمی اور جوش و خروش ہے

آج دس ذی الحجہ ہے۔ لوگ قربانیوں کے لئے قربان گاہ جا رہے ہیں قربانیوں کے بعد شیاطین کا رجم جاری ہے، دو مزید دن منیٰ میں گزار کر قافلہ مکّہ میں واپس آگیا۔

خانہ کعبہ کا طواف ہو رہا ہے، خدا سے نئے عہد و پیمان باندھے جا رہے ہیں۔ حجر اسود کا استلام ہو رہا ہے۔ مقام ابراہیم پر نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ آبِ زمزم سے تشنگی دور کی جا رہی ہے اور صفا و مروہ کی آخری سعی ہو رہی ہے۔

ہم مناسک حج سے فارغ ہو گئے۔ زندگی کے ایک اہم اسلامی فریضہ سے جو ہر عاقل و بالغ، صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے، فارغ ہو کر اب مدینہ کی طرف جا رہے ہیں روضۂ رسول نظروں میں سمایا ہوا ہے...... مکّہ سے جدہ جاتے ہوئے ہم سب مدینہ چل رہے ہیں۔ لیجئے اب مدینہ نزدیک ہیں۔ یہ مقام بدر ہے۔ جہاں حق، باطل سے پہلی بار نبرد آزما ہوا تھا۔ اس میں حق غالب اور باطل مغلوب ہوا۔

یہ مدینۃ النبیؐ ہے...... یہاں مکہ کا شکوہ نہیں، آقائیت کا جلال نہیں، بندگی کی تواضع نہیں۔ لینے دینے کی باتیں نہیں......... لین دین کی باتیں تو حدودِ حرم میں ہو چکی ...... اب تو صرف دینے اور اپنے آپ کو فدا کرنے کا سوال ہے۔ عاشقانِ رسولؐ اپنا سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہیں۔ یہ وہی انصار کا شہر ہے جہاں انہوں نے اپنا سب کچھ رسُول کے لئے لٹایا تھا۔

آپ اس وقت مسجدِ نبوی کے پاس ہیں۔ سامنے باب اسلام ہے۔ لوگ مسجد نبویؐ میں داخل ہو رہے ہیں عاشقانِ رسول کی زبانوں پر اس وقت ایک ہی صدا ہے۔

(۱) السلام علیکَ یا احمدؐ -

(۲) السلام علیکَ یا محمدؐ -

(۳) السلام علیکَ یا رسول اللہ -

(۴) السلام علیکَ یا نبی اللہ -

(۵) السلام علیکَ یا حبیب اللہ -

مختلف لہجوں میں یہی ایک صدا گونج رہی ہے۔ اس کیف و محبت کی فضا میں ہم سب کھو گئے ایک بار پھر ہمارا ذہن ان مستشرقین اور سوانح نگاران غرب کی طرف متوجہ ہوا۔ جنہوں نے پیغمبرِ اسلام کی زندگی کو داغدار ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ العیاذ باللہ مجنون و شاعر بتایا، مرگی کا مریض ثابت کیا خود غرض سیاستدان اور نفس پرست انسان ثابت کرنے کی ناکام کوششیں کیں۔ انہیں جادوگر بتایا، غرض

ے کیا کیا تہمتیں نہ تراشا کئے عدو

اے مردہ اور زندہ دانشورانِ فرنگ! اگر محمدؐ جادوگر ہوتے تو یہ جادو کتنے دن سر چڑھا رہتا؟ سو سال؟ دو سو سال؟ دنیا کی تاریخ میں کسی سیاسی، اخلاقی اور مذہبی جادو کا زور کچھ عرصہ سے زیادہ رہا ہے؟ اگر کبھی تمہیں اس سرزمین سے گزرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہوتی! اگر تم نے کبھی درود و سلام کی یہ صدا سُنی ہوتی تو شائد تمہاری اخلاقی حس تمہیں متنبہ کرتی اور تم اس بہتان تراشی سے باز رہتے اور توفیق ہو تو اب یہاں آ کر دیکھو کہ آج ہم اسو سالوں کے بعد بھی اقطارِ عالم سے عاشقانِ رسول آ آ کر درود و سلام بھیج رہے ہیں اور نبی آخر الزماں کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہیں۔

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

زانکہ ملت را حیات از عشقِ اوست
برگ و ساز کائنات از عشقِ اوست

اے رسالتِ محمدی کا انکار کرنے والو تمہیں کیا معلوم کہ،

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت | تا چراغِ یک محمدؐ برفروخت
پس خدا برما شریعت ختم کرد | بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایّام را | او رسل را ختم و ما اقوام را
لا نبی بعدی احسانِ خدا است | پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است

اے عقل کے پجاریو اور اے ترقی کے دعویدارو صرف اتنا بتا دو...... ہے کوئی دوسرا پیغمبر جسے یہ سلام سرمدی اور حیات ابدی نصیب ہوئی ؟ اس قصے کو چھوڑیئے اور آئیے مسجد نبویؐ کے اندر داخل ہوں، درود و سلام پڑھیئے۔ آپ روضہ رسولؐ کے سامنے ہیں یہ سامنے روضۂ اطہر ہے ہماری زبانوں پر ایک ہی نغمہ ہے

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر | اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
وہ لذت آشوب نہیں بحرِ عرب میں | پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد | اس کوہ بیابان سے حدی خوان کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

جناب رسالتماب میں یہ درخواست دیکر ہم سب باہر نکل رہے ہیں اور چند تاریخی مقامات کی زیارت کیلئے چل رہے ہیں۔ آپ اب جبل احد کے دامن میں ہیں۔ سامنے حضرت حمزہ کا مزار ہے۔ یہاں سے آپ خندق پہنچ گئے۔ مساجد خمسہ مسجد قبلتین، مسجد قبا وغیرہ کی زیارت کے بعد اب آپ مدینہ یونیورسٹی میں ہیں۔ جہاں سے فلاسفہ غرب کو ہم آخری صدا دے رہے ہیں۔

راہب دیرینہ افلاطوں حکیم　　　　از گروہ گوسفندان قدیم

ہمارا سفر اب مکمل ہو چکا...... اس قافلہ آخری درود وسلام کے بعد شہر مدینہ سے جدّہ واپس ہو رہا ہے یہ بیروت ہے ــــ بیروت سے آپ ہمارے ساتھ پھر لندن واپس آئے اور لندن سے نیویارک واپس چل رہے ہیں۔ یہ نیویارک ہے۔ اب آپ روحانی دنیا کے مرکز مکہ سے مادی دنیا کے مرکز نیویارک میں واپس آگئے جہاں مرحوم جمعیت اقوام کی وارث اقوام متحدہ نے جنم لیا ہے اور جس کی نسل جنیوا سے ہجرت کر کے نیویارک پہنچ اسکے لئے مکہ سے ہم وہی پرانا پیغام لائے ہیں :۔

مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیّتِ آدم؟